انہیں بھول نہ جانا

اَوَمَنۡ كَانَ مَيۡتًا فَاَحۡيَيۡنٰهُ وَجَعَلۡنَا لَهٗ نُوۡرًا يَّمۡشِىۡ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنۡ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَـيۡسَ بِخَارِجٍ مِّنۡهَا‌ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ۔(6:122)

از مولانا عبد الحق صاحب ودیارتھی[1]

یعنی "کیا وہ جو مردہ ہو۔ پھر اسے ہم زندہ کر دیں۔ اور اس کے لئے روشنی کر دیں جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلے۔ اس شخص کی مانند ہے جس کی مثال یہ ہے کہ وہ اندھیرے میں ہے۔ اس سے نکلتا نہیں اسی طرح کافروں کو وہ کام بھلے لگتے ہیں جو وہ کرتے ہیں۔"

آیت مذکورہ میں ایک شخص یا ایک قوم کی صفات اربعہ کا ذکر ہے۔ ایک وقت وہ مردہ کی طرح ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے زندہ کر دے۔ اور ایک نور عطا فرمائے۔ جو نہ صرف اس کی اپنی ذات کو روشن اور منور کر دے بلکہ اس عطیہ الٰہی سے دوسرے لوگوں کو بھی سیدھی راہ دکھائے۔ اس کے بالمقابل کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو تاریکیوں کی دلدل میں پھنسے ہوئے نیچے ہی نیچے دھنستے چلے جاتے ہیں۔ تاریکی انہیں ایسی پیاری ہوتی ہے کہ وہ اس سے نکلتے نہیں اور نہ کبھی نکلنے کی امنگ ان کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ مشہور جرمن فلاسفر گوئٹے کہتا ہے کہ "لوگوں کے اخلاق کا صحیح معیار وہ امور ہیں جن پر وہ ہنستے اور خوش ہوتے ہیں"۔ ہنسنا اور رونا انسان کے دو فطری تقاضے ہیں۔ ہر شخص اپنی دنیوی زندگی میں ہنسنے اور رونے پر مجبور ہے۔ ایک نیک انسان ان باتوں پر کبھی خوش نہیں ہوتا جن پر ایک بد انسان

---

[1] پیغام صلح، 15 اکتوبر 1952، صفحہ 8۔ یہ شمارہ مولانا محمد علی صاحب مرحوم کی وفات کی پہلی برسی پر شائع ہوا۔

اپنی ہنسی ضبط نہیں کر سکتا۔ جس طرح ہر شخص کی انفرادی زندگی میں اس کی ہنسی اس کی سیرت اور اخلاق پر گواہ ہے، اسی طرح جماعتوں اور قوموں کا حال ہے۔ ان کی پستی اور بلندی کی ایک بڑی علامت یہ ہے کہ وہ رونے کی جگہ ہنستی اور خوشی کے موقعہ پر روتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو اُٹھ کر جنگل میں تن تنہا جا کر غار کی وحشت ناک تاریکی میں اپنی قوم کی جن باتوں پر خدا کے حضور روتے اور دعائیں کرتے تھے قوم انہی باتوں پر رات دن ہنستی خوش ہوتی اور قہقہے لگاتی تھی۔ خدا کا برگزیدہ رسولؐ اُٹھتے بیٹھتے جن بدیوں کے دور کرنے کے لئے فکر مند تھا، کفار انہی میں اپنی زندگی اور خوشی کا سامان سمجھتے تھے۔ یہ ایک مردہ قوم تھی، جن میں سب سے پہلے ایک شخص زندگی کی روح پا کر اُٹھ کھڑا ہوا اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا زبردست نور عطا کیا گیا کہ جس کے سامنے دنیا کی تاریکیاں کافور ہو گئیں۔ اسی نور نبوت کے زیر سایہ آپ کے بعد بھی احیاء امت کے لئے وقتاً فوقتاً اولیاء اللہ مبعوث ہوتے، اپنی روحانی قوت سے لوگوں کو زندہ کرتے اور دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کرتے رہے۔ اور ان کی صحبت سے فیض یافتہ نور اسلام سے دنیا کو منور کرتے رہے۔

دنیا میں حادثات کی کمی نہیں۔ لیکن وہ حادثہ، جو کسی فرد اور قوم کو مفلوج کر دے اور ان کے اندر سے روح عمل جاتی رہے، فی الواقعہ دردناک ہوتا ہے۔ اور اس پر جس قدر بھی آنسو بہائے جائیں کم ہیں۔ حادثہ کربلا سے بڑھ کر شاید دنیا نے کسی حادثہ پر خون کے آنسو نہیں بہائے۔ ہر سال اس پر سینہ کوبی ہوتی اور بیشمار مجالس عزیٰ گرم ہوتی ہیں۔ امت محمدیہ کا یہ تیرہ سو سالہ ناسور، جو ہر سال نئے سرے سے پھوٹ نکلتا، اس سے خون کی ندیاں بہتی اور آہ و فغاں کے دھوئیں اُٹھتے ہیں۔ مگر ان لوگوں کے دلوں پر امام علیہ السلام کے اُسوہ حسنہ پر عمل کرنے اور تقویٰ و طہارت کی راہ پر چلنے کی کوئی امنگ پیدا نہیں ہوتی۔

اگر ہم حادثات کو دین کی صحیح روشنی میں دیکھنے کی عادت کر لیں تو ہماری اکثر بیشتر مشکلات ترقی اور فلاح کا موجب ہو جائیں۔ تحریک احمدیت کا قیام فی الحقیقت اسی غرض کے لئے ہوا تھا کہ موجودہ زمانہ کی ضروریات کے لحاظ سے اسلام کے فکر و عمل کی بہترین خصوصیات ایک جماعت کے اندر جمع کی جائیں اور اسے نشر و اشاعت اسلام کا ایک عملی نمونہ بنایا جائے۔ حضرت مسیح موعودؑ سے لے کر حضرت امیرؒ (مولانا محمد علی صاحب) تک یہ دعوت فکر و عمل اپنے منتہاء کمال تک پہنچ چکی۔ احمدیت روتے جذبات کے اظہار کا نام نہیں اور نہ کسی کے انتظار میں بیکار بیٹھ کر اپنی قوتوں کو برباد کر دینے کا نام ہے۔

حضرت امیر مرحوم و مغفور کی یاد میں پار سال ''پیغام صلح'' کا جو خاص نمبر نکالا گیا اس میں ان مضامین کے علاوہ، کہ جنہیں عنوان درد کا ایک ہی نام دیا جا سکتا ہے، ان کی سیرت، کارہائے نمایاں، حضرت مسیح موعود کی کشفی آنکھ میں ان کا مقام اور جماعت لاہور کا کامیاب موسس ہونے کے لحاظ سے جو کچھ لکھا گیا، وہ ایک جامع یادگار ہے۔ اس سے بڑھ کر یا اس کے برابر یادگار نمبر نکالنا محال ہے۔ جن لوگوں کے پاس وہ نمبر موجود ہے اس موقعہ پر اسے وہ نکال کر بار بار پڑھیں۔

گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

ان نصائح اور مواعظ کو، جو آپ نے جماعت کو زندگی بھر سنائے، اپنی زندگی کا کبھی نہ بھولنے والا جز بنایا جائے۔ بعض جگہ اب بھی یادگار نمبر تعداد کثیر میں موجود ہے۔ اسے دوسرے لوگوں تک پہنچایا جائے۔ تا یہ انمول موتی دوسرے لوگوں کے کانوں تک پہنچے بغیر ضائع نہ ہو جائیں۔ ہر احمدی فرد کو اپنے دل پر یہ نقش کر لینا چاہیئے کہ حضرت امیر

مرحوم کی یاد غیرت اسلام اور عشق رسولؐ کی جوت اپنے دل میں جگانے کا نام ہے اور ہماری کوششیں اسی راہ میں وقف ہونی چاہئیں۔ دنیا کی محبتیں اور لوگوں کی مخالفتیں اور حوادث ہمارے قدموں میں سستی نہ پیدا کریں۔ حضرت امیر مرحوم کی زندگی کا نصب العین فی الجملہ دین اسلام کا غیر ادیان پر غلبہ ثابت کرنا تھا۔ اور اس نصب العین کے ساتھ اس قدر شغف تھا کہ دنیا کی کوئی محبوب چیز کسی وقت بھی ان کے کام میں حائل نہ ہوتی تھی۔ عام طور پر لوگوں میں کام کی اہلیت ہوتی ہے۔ لیکن دنیا کے اشغال اور سستی دونوں مل کر ان سے یہ اہلیت چھین لیتے ہیں۔ ایک مشہور آدمی نے ایک کتاب لکھی اور اسے اپنی بیوی کے نام پر یہ تہدیہ کیا:

To my wife without whose absence this could not have been written

یعنی "اپنی بیوی کے نام کہ جس کی غیر حاضری کے بغیر یہ ہرگز نہ لکھی جاسکتی تھی۔" بخلاف اس کے حضرت امیر مرحوم ومغفور نے 1910ء میں قرآن مجید کا تحفہ اپنی بیگم صاحبہ کو دیا اور 1946ء میں یہ الفاظ اس پر رقم فرمائے۔

"اس تعلق محبت کی چھتیسویں سالگرہ پر یہ یادداشت اس پر ثبت کی گئی۔ یہی عرصہ میری زندگی کا وہ زمانہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اپنے کلام پاک کی خدمت کا بہترین کام لیا اور زوجہ ام مہر النساء کی بے نفسی اور محبت کو اس کام کی تکمیل کا ذریعہ بنایا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰالِكَ۔ محمد علی"

قرآن مجید کی سورۃ بقرہ ایک عظیم الشان سورۃ ہے۔ جس میں سارے قرآن مجید کا 1/12 حصہ آجاتا ہے۔ مگر اس سورۃ کا خاتمہ اس دعا پر کیا ہے: فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ۔ "کافرین پر ہمیں نصرت عطا فرما"۔ نہ صرف جنگ بلکہ مناظرہ میں، تمدن میں، معاشرت میں، اخلاق میں، قوت روحانیہ میں اور ان تمام امور میں جن کا ذکر اس

سورۃ پاک میں کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ایک دوسری جگہ فرمایا: لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (28:48) اس غرض کے لئے مبعوث کیا گیا کہ وہ دین کو تمام ادیان پر غالب کر کے دکھائے۔ یعنی سارے دینی امور میں اس دین کو غالب کر دے۔ جہاں کوئی خوبی کسی غیر مسلم میں نظر آئے ایک مسلمان کی دعا اور کوشش یہی ہونی چاہئیے کہ اس سے بڑھ کر وہ خوبی اپنے میں پیدا کرے۔ یہ ایک نصب العین ہے اور عظیم الشان نصب العین، جو ایک مسلمان کو ہر وقت اپنے سامنے رکھنا چاہئیے۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ سے کسی نے ذکر کیا کہ فلاں ہندو تیراکی میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا کوئی مسلمان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ حاضرین نے کہا۔ نہیں۔ فرمایا بڑے شرم کی بات ہے۔ اسی دن سے شاہ صاحب نے تیراکی کی مشق شروع کر دی اور بہت تھوڑے ہی دنوں میں اتنی مہارت پیدا کر لی کہ اس ہندو کو مقابلہ کے لئے للکارا اور اسے شکست دی۔ یہ تھا ایک مسلمان کا عزم۔ کسی فن میں بھی ایک کافر مسلمان پر سبقت نہ لے جائے۔ اپنی قوم کی عزت ہر معاملہ میں ملحوظ رکھنا، یہ معنی ہیں فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ کے۔ لیکن دلائل اور علم اور شبینہ دعاؤں کے ذریعہ دین اسلام کا غلبہ غیر ادیان پر ثابت کرنا یہ وہ نصب العین ہے جو اس زمانے کے مجدد اور حضرت امیر مرحوم نے ہمارے سامنے رکھا۔ حضرت امیر مغفور کے وصال پر ایک سال کامل گزر گیا۔ جماعت کا ہر فرد اپنا محاسبہ کرے کہ سال بھر کی طویل مہلت میں اس نے اس نصب العین کو کہاں تک ملحوظ رکھا؟ یا جماعت نے بحیثیت مجموعی کیا اسلام کی اس قدر خدمت کی ہے کہ جس قدر وہ ایک تن واحد ہر سال کرتا تھا؟ ماضی پر بیفائدہ نکتہ چینیوں کو چھوڑ کر اور دوسروں کی خوردہ گیریوں کو ترک کر کے اپنے آپ کی کمین گاہ میں بیٹھو اور سوچو کہ ہم نے کیا کیا؟ اور موت کے بعد حضرت مسیح موعود کو اپنی بیعت پر عمل نہ کرنے کا کیا جواب دو گے؟